سوال۳: درج ذیل کالم ''الف'' کو کالم ''ب'' سے ملائیے:

	الف	ب
۱)	جمال آرا اور حُسن آرا کا باپ	اصغری
۲)	سلطانہ کی بہن	دیانت النساء
۳)	محمد کامل کی بیوی	حکیم روح اللہ خاں
۴)	اصغری کی ملازمہ	فتح اللہ خاں
۵)	فتح اللہ خاں کے بڑے بھائی	شاہ زمانی بیگم

سوال۴: درج ذیل کی تشریح اپنے الفاظ میں لکھیے:

(الف) ''دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں۔ اگر ہر طرف خوشی ہی خوشی ہوتو انسان خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے۔''

(ب) ''ڈھنڈورا شہر میں بچّہ بغل میں''

سوال۵: درج ذیل الفاظ اور محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

لٹّو ہونا۔ دریغ نہ کرنا۔ شُستہ۔ نالاں۔ قباحت

سرگرمیاں

(۱) طلبہ کمرۂ جماعت میں یہ سبق ڈرامائی انداز میں پیش کریں۔

(۲) طلبہ ''اچھّی عادات'' کا چارٹ بنا کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

❁ ناول سادہ زبان میں ایسی کہانی کو کہتے ہیں جس میں انسانی زندگی کے معمولی اور روزانہ پیش آنے والے واقعات کو دل چسپ انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اس کے بنیادی عناصر ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو ناول نگاری کے بنیادی فنی نکات سے آگاہ کیجیے۔

(۲) اپنی نگرانی میں اس سبق کا ڈراما تیار کرائیے۔

(۳) ناول کے بارے میں دی گئی تعریف کی وضاحت کیجیے۔

مُنشی پریم چند

ولادت: ۱۸۸۰ء وفات: ۱۹۳۶ء

آپ کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ ضلع بنارس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والد مُنشی عجائب لال ڈاک خانے میں کلرک تھے۔ پریم چند نے ایک مولوی صاحب سے فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ جب کہ انگریزی تعلیم بنارس میں حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ایک پرائمری اسکول میں استاد ہو گئے۔ ۱۹۰۸ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارِس ہو گئے۔ پریم چند کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء سے ہوا۔ آپ نے منشی دیا نرائن نگم کے رسالے ''زمانہ'' میں مضامین لکھے۔ پھر افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی طرف توجّہ دی۔ پریم چند نے غریبوں کے حالات و واقعات کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا موضوع بنایا۔ پریم چند کا شمار اردو کے اوّلین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ''سوزِ وطن، واردات، بیوہ، زادِ راہ، نرملا، میدانِ عمل، گئو دان، پریم بتیسی، پریم پچیسی، پریم چالیسی اور چوگانِ ہستی'' اُن کی مشہور تصانیف ہیں۔ اُنھوں نے کُل ۲۹ ناول لکھے۔

بُوڑھی کاکی

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مرکّبِ ناقص اور مرکّبِ تام میں فرق کر سکیں۔ (۲) مباحثوں اور مذاکروں میں موضوع کے حق یا مخالفت میں حصّہ لے سکیں۔ (۳) کسی نثر پارے کی فکری و فنی خوبیوں کو پیشِ نظر رکھ کر خلاصہ لکھ سکیں۔ (۴) اپنی گفتگو میں احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدّت اور زیر و بم کا لحاظ کر سکیں۔

بڑھاپا بچپن کا دورِ ثانی ہوا کرتا ہے۔ بوڑھی کاکی میں ذائقے کے سوا کوئی حِس باقی نہ تھی۔ آنکھیں، ہاتھ، پیر سب جواب دے چکے تھے۔ زمین پر پڑی رہتیں اور جب گھر والے کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف کرتے، کھانے کا وقت ٹل جاتا یا مقدار کافی نہ ہوتی یا بازار سے کوئی چیز آتی اور انھیں نہ ملتی تو رونے لگتی تھیں اور ان کا رونا محض بِسُورنا نہ تھا۔ وہ بہ آوازِ بلند روتی تھیں۔ ان کے شوہر کو مَرے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا۔ سات بیٹے جوان ہو ہو کر داغ دے گئے اور اب ایک بھتیجے کے سوا دنیا میں ان کا کوئی نہ تھا۔ اسی بھتیجے کے نام انھوں نے ساری جائداد لکھ دی تھی۔ اِن حضرت نے لکھاتے وقت تو خوب لمبے چوڑے وعدے کیے لیکن وہ وعدے صرف سبز باغ تھے، اس جائداد کی سالانہ آمدنی ڈیڑھ دو سو روپے سے کم نہ تھی، لیکن بوڑھی کاکی کو اب پیٹ بھر روکھا دانہ بھی مشکل سے ملتا۔ بدھ رام طبیعت کے نیک آدمی تھے، لیکن اسی وقت تک کہ ان کی جیب پر کوئی آنچ نہ آئے۔ رُوپا طبیعت کی تیز تھی لیکن اِیشوَر سے

ڈرتی تھی، اس لیے بوڑھی کاکی پر اس کی تیزی اتنی نہ کھَلتی تھی جتنی بدھ رام کی نیکی۔

بدھ رام کو کبھی کبھی اپنی بے انصافی کا احساس ہوتا۔ وہ سوچتے کہ اس جائداد کی بہ دولت میں اس وقت بھلا آدمی بنا بیٹھا ہوں اور اگر زبانی تسکین یا تشفّی سے صورتِ حال میں کچھ اصلاح ہو سکتی تو انھیں مُطلَق دریغ نہ ہوتا، لیکن مزید خرچ کا خوف ان کی نیکی کو دبائے رکھتا تھا۔

سارے گھر میں اگر کسی کو کاکی سے محبت تھی تو وہ بدھ رام کی چھوٹی لڑکی لاڈلی تھی۔ لاڈلی اپنے دونوں بھائیوں کے خوف سے اپنے حصّے کی مٹھائی بوڑھی کاکی کے پاس بیٹھ کر کھایا کرتی تھی۔

رات کا وقت تھا۔ بدھ رام کے دروازے پر شہنائی بج رہی تھی اور گاؤں کے بچوں کا جمِّ غفیر نگاہِ حیرت سے گانے کی داد دے رہا تھا۔ چارپائیوں پر مہمان لیٹے ہوئے نائیوں سے ٹکیاں لگوا رہے تھے۔ بدھ رام کے لڑکے سکھ رام کا تِلک آیا ہے۔ یہ اُسی کا جشن ہے۔ گھر میں مستورات گا رہی تھیں اور رُوپا مہمانوں کی دعوت کا سامان کرنے میں مصروف تھی۔

بوڑھی کاکی اپنی اندھیری کوٹھری میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ لذّت آمیز خوش بو انھیں بے تاب کر رہی تھی۔ وہ دل میں سوچتی تھیں شاید مجھے پوریاں نہ ملیں گی۔ اتنی دیر ہوگئی کوئی کھانا لے کر نہیں آیا۔

بوڑھی کاکی کے چشمِ خیال میں پوریوں کی تصویر ناچنے لگی۔ خوب لال لال پھولی پھولی نرم نرم ہوں گی۔ کچوریوں میں اَجوائن اور الائچی کی مہک آ رہی ہوگی۔ ایک پوری ملتی تو ذرا ہاتھ میں لے کر دیکھتی۔ کیوں نہ چل کر کڑاہ کے سامنے ہی

بیٹھوں۔ پوریاں چھُن چھُن کڑاہ میں تیرتی ہوں گی۔ کڑاہ سے گرما گرم نکل کر کٹھوتی میں رکھی جاتی ہوں گی۔

اس طرح فیصلہ کر کے بوڑھی کاکی اُکڑوں بیٹھ کر، ہاتھوں کے بَل کھِسکتی ہوئی بہ مشکل تمام چوکھٹ سے اُتریں اور دِھیرے دِھیرے رَینگتی ہوئی کڑاہ کے پاس جا بیٹھیں۔ رُوپا اس وقت ایک سراسیمگی کی حالت میں تھی۔ اِس کمرے میں جاتی، کبھی اُس کمرے میں۔ کبھی کڑاہ کے پاس کبھی کوٹھے پر۔ کسی نے باہر سے آ کر کہا: ''مہاراج ٹھنڈائی مانگ رہے ہیں۔'' ٹھنڈائی دینے لگی۔ اتنے میں پھر کسی نے کہا: ''بھاٹ آیا ہے، اسے کچھ دے دو۔'' بھاٹ کے لیے سُدھا نکال رہی تھی کہ ایک تیسرے آدمی نے آ کر پوچھا کہ ابھی کھانا تیار ہونے میں کتنی دیر ہے؟

ذرا ڈھول مجیرا اُتار دو۔ بے چاری اکیلی عورت چاروں طرف دوڑتے دوڑتے حیران ہو رہی تھی۔ جھُنجھلاتی تھی، کُڑھتی تھی، پر غصہ باہر نکلنے کا موقع نہ پاتا تھا۔ خوف ہوتا تھا کہ کہیں پڑوسنیں یہ نہ کہنے لگیں کہ اتنے ہی میں اُبل پڑیں۔ پیاس سے خود اس کا حلق سوکھا جاتا تھا۔ گرمی کے مارے پھُنکی جاتی تھی لیکن اتنی فرصت کہاں کہ ذرا پانی پی لے یا پنکھا لے کر جھلے۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ ذرا نگاہ پلٹی اور چیزوں کی لُوٹ مچی۔ اس کش مکش کے عالَم میں اس نے بوڑھی کاکی کو کڑاہ کے پاس بیٹھے دیکھا تو جل گئی۔ غصہ نہ رُک سکا، یہ خیال نہ رہا کہ پڑوسنیں بیٹھی ہوئی ہیں، دل میں کیا کہیں گی۔ مردانے میں لوگ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ جیسے مینڈک کیچوے پر جھپٹتا ہے اسی طرح وہ بوڑھی کاکی پر جھپٹی اور انھیں دونوں ہاتھوں سے جھنجھوڑ کر بولی: ''ایسے پیٹ میں آگ لگے، پیٹ ہے کہ آگ کا کُنڈ ہے۔ کوٹھری میں بیٹھے کیا دم گھٹتا تھا۔ ابھی

مہمانوں نے نہیں کھایا۔ تب تک صبر نہ ہو سکا۔ آ کر چھاتی پر سوار ہو گئیں۔ گاؤں دیکھے گا تو کہے گا کہ بڑھیا، بھر پیٹ کھانے کو نہیں پاتی، تب ہی تو اس طرح بوکھلائے پھرتی ہے۔'' اس خیال سے اس کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا۔ ''نام بیچنے پر لگی ہے، ناک کٹوا کے دم لے گی۔ اتنا ٹھُونستی ہے، نہ جانے کہاں بھَسَم ہو جاتا ہے۔ بھلا چاہتی ہو تو جا کر کوٹھری میں بیٹھو۔ جب گھر کے لوگ لگیں گے تو تمھیں بھی ملے گا۔''

بوڑھی کاکی نے سر نہ اٹھایا۔ نہ روئیں نہ بولیں، چُپ چاپ رَینگتی ہوئی وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

لاڈلی کو کاکی سے بہت اُنس تھا۔ بھولی بھالی، سیدھی لڑکی تھی۔ طِفلانہ شوخی اور مَسرّت کی اس میں بُو تک نہ تھی۔ وہ جُھنجلا رہی تھی کہ یہ لوگ کاکی کو کیوں بہت ساری پوریاں نہیں دے دیتے۔ مہمان سب کی سب تھوڑے ہی کھا جائیں گے اور اگر کاکی نے مہمانوں سے پہلے ہی کھا لیا تو کیا بگڑ جائے گا؟ وہ کاکی کے پاس جا کر انھیں تشفّی دینا چاہتی تھی، لیکن ماں کے خوف سے نہ جاتی تھی۔ اس نے اپنے حصے کی پوریاں مُطلق نہ کھائیں۔ اپنی گُڑیوں کی پِٹاری میں بند کر رکھی تھیں۔ وہ یہ پوریاں کاکی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ اس کا دل بے قرار ہو رہا تھا۔ بوڑھی کاکی میری آواز سنتے ہی اٹھ بیٹھیں گی۔ پُوریاں دیکھ کر کیسی خوش ہوں گی۔ مجھے خوب پیار کریں گی۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ رُوپا آنگن میں سو رہی تھی۔ لاڈلی کی آنکھوں میں نیند نہ آتی تھی۔ کاکی کو پوریاں کھلانے کی خوشی اسے سونے نہ دیتی تھی۔ اس نے گُڑیوں کی پٹاری سامنے ہی رکھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اماں غافل سو رہی ہیں تو وہ چپکے سے اُٹھی اور سوچنے لگی کہ کیسے چلوں۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ صرف

چولھوں میں آگ چمک رہی تھی۔ لاڈلی کی نگاہ دروازے والے نیم کے درخت کی طرف گئی۔ مارے خوف کے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اتنے میں کتا اُٹھ بیٹھا۔ لاڈلی کو ڈھارَس ہوئی۔ کئی سوتے ہوئے آدمیوں کی نسبت ایک جاگتا ہوا کتا اس کے لیے زیادہ تقوِیت کا باعث ہوا۔ اُس نے پِٹاری اٹھائی اور بوڑھی کاکی کی کوٹھری کی طرف چلی۔

”کاکی اُٹھو میں پُوریاں لائی ہوں۔“ کاکی نے لاڈلی کی آواز پہچانی۔ چُٹ پُٹ اُٹھ بیٹھیں۔ دونوں ہاتھوں سے لاڈلی کو ٹٹولا اور اسے گود میں بٹھالیا۔ لاڈلی نے پُوریاں نکال کردیں۔ کاکی نے پوچھا: ”کیا تمھاری امّاں نے دی ہیں؟“

کاکی پوریوں پر ٹوٹ پڑیں۔ پانچ منٹ میں پٹاری خالی ہوگئی۔ لاڈلی نے پوچھا: ”کاکی پیٹ بھر گیا؟“

جیسے تھوڑی سی بارش ٹھنڈک کی جگہ اور بھی حبس پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح اِن چند پوریوں نے کاکی کی اِشتِہا اور رغبت کو اور بھی تیز کر دیا تھا۔ بولیں: ”نہیں! بیٹی جا کے امّاں سے اور مانگ لاؤ۔“

کاکی نے پٹاری کو پھر ٹٹولا۔ اس میں چند ریزے گرے تھے، انھیں نکال کر کھا گئیں۔ یکایک لاڈلی سے بولیں: ”میرا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے چلو جہاں مہمانوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔“

لاڈلی ان کا منشا نہ سمجھ سکی۔ اس نے کاکی کا ہاتھ پکڑا اور انھیں لا کر جھوٹے پتّلوں کے پاس بٹھا دیا اور غریب بھوک کی ماری فاتِرُ العقل بڑھیا پتّلوں سے پوریوں کے ٹکڑے چُن چُن کر کھانے لگی۔

عین اسی وقت رُوپا کی آنکھ کھلی۔ اسے معلوم ہوا کہ لاڈلی میرے پاس نہیں ہے۔ چونکی، چارپائی کے اِدھر اُدھر تاکنے لگی کہ کہیں لڑکی نیچے تو نہیں گر پڑی۔ اُسے وہاں نہ پا کر وہ اُٹھ بیٹھی، تو کیا دیکھتی ہے کہ لاڈلی جھوٹے پتّلوں کے پاس چُپ چاپ کھڑی ہے اور بوڑھی کاکی پتّلوں پر سے پوریوں کے ٹکڑے اُٹھا اُٹھا کر کھا رہی ہے۔ رُوپا کا کلیجا سُن سا ہو گیا۔

رُوپا کو اپنی خود غرضی اور بے انصافی آج تک کبھی اتنی صفائی سے نظر نہ آئی تھی۔ ہائے! میں کتنی بے رحم ہوں۔ جس کی جائداد سے مجھے دو سو روپے سال کی آمدنی ہو رہی ہے، اس کی یہ دُرگت، اور میرے کارَن! مجھ سے بڑا بھاری گناہ ہوا ہے۔ آج میرے بیٹے کا تِلک تھا، سیکڑوں آدمیوں نے کھانا کھایا، میں ان کے اشارے کی غلام بنی ہوئی تھی، اپنے نام کے لیے، اپنی بڑائی کے لیے سیکڑوں روپے خرچ کر دیے، لیکن جس کی بہ دولت ہزاروں روپے کھائے، اسے اس تقریب کے دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ دے سکی، محض اس لیے نا کہ وہ بڑھیا ہے، بے کس ہے، بے زبان ہے۔

اُس نے چراغ جلایا، اپنے بَھنڈارے کا دروازہ کھولا اور ایک تھالی میں کھانے کی سب چیزیں سجا کر لیے ہوئے بوڑھی کاکی کی طرف چلی۔ آدھی رات ہو چکی تھی، آسمان پر تاروں کے تھال سجے ہوئے تھے اور ان پر بیٹھے ہوئے فرشتے بہشتی نعمتیں سجا رہے تھے، لیکن ان میں کسی کو وہ مَسرَّت نہ حاصل ہو سکتی تھی جو بوڑھی کاکی کو اپنے سامنے تھال دیکھ کر ہوئی۔ رُوپا نے رِقّت آمیز لہجے میں کہا:

”کاکی اٹھو! کھانا کھا لو۔ مجھ سے آج بڑی بُھول ہوئی۔ اس کا برا نہ ماننا، پرماتما سے دعا کرو کہ میری خطا معاف کر دے۔“

بھولے بھالے بچّے کی طرح جو مٹھائیاں پاکر مار اور گُھڑکیاں سب بھول جاتا ہے، بوڑھی کاکی بیٹھی ہوئی کھانا کھا رہی تھیں، ان کے ایک ایک رُوئیں سے سچّی دعائیں نکل رہی تھیں اور رُوپا بیٹھی یہ روحانی نظارہ دیکھ رہی تھی۔

(ماخوذ از: ''پریم چند کے منتخب افسانے'')

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) بوڑھی کاکی نے اپنی ساری جائداد بُدھ رام کے نام کیوں لکھ دی تھی؟

(ب) بدھ رام نے جائداد حاصل کرنے کے بعد بوڑھی کاکی سے کیسا سلوک کیا؟

(ج) بدھ رام کے گھر میں کس بات کا جشن منایا جارہا تھا؟

(د) بوڑھی کاکی بھوک سے بے تاب ہوکر جب کڑاہ کے پاس پہنچی تو روپا نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

(ہ) لاڈلی نے اپنی گڑیوں کی پٹاری میں پوریاں کیوں چھپائی تھیں؟

(و) پوریوں کے ٹکڑے چُن چُن کر کھاتے دیکھ کر روپا کا کیا حال ہوا؟

(ز) روپا نے بوڑھی کاکی کو کھانے کا تھال دے کر کیا کہا؟

سوال۲: اس افسانے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سوال۳: اس افسانے کی فکری اور فنّی خوبیاں بیان کیجیے۔

سوال۴: درج ذیل الفاظ اور محاورات اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

جمِ غَفیر - اِشتِہا - ناک کٹوانا - بھنڈارے - نام بیچنا - سبز باغ دکھانا

سوال۵: درج ذیل میں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) بڑھاپا دورِ ثانی ہوا کرتا ہے:

(۱) طُفولت کا (۲) بچپن کا (۳) بُلوغت کا (۴) جوانی کا

(ب) بڑھیا کے جوان بیٹے مرگئے تھے:

(۱) پانچ (۲) چھ (۳) سات (۴) آٹھ

(ج) بدھ رام آدمی تھے:

(۱) چالاک (۲) مکار (۳) نیک (۴) بے وقوف

(د) روپا سو رہی تھی:

(۱) آنگن میں (۲) کمرے میں (۳) کوٹھری میں (۴) برآمدے میں

(ہ) بدھ رام کی چھوٹی لڑکی تھی:

(۱) من چلی (۲) لاڈلی (۳) ضدی (۴) چنچل

❁ ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

۱- اتنی دیر ہوگئی کوئی کھانا لے کر نہیں آیا ۲- لمبے چوڑے وعدے

۳- اکیلی عورت ۴- بڑھاپا بچپن کا دورِ ثانی ہوتا ہے

۵- سبز باغ ۶- اب پیٹ بھر روکھا دانہ بھی مشکل سے ملتا ہے

اوپر دیے گئے جملوں میں کچھ جملے مکمل ہیں۔ ان میں بات بھی پوری ہو رہی ہے اور مطلب بھی پورے طور پر واضح ہو رہا ہے۔ لفظوں کے ایسے مجموعے کو جس میں لفظوں کے درمیان تعلق اور لگاؤ پایا جائے، اسے مرکّبِ تام کہتے ہیں۔ جملہ ۱، ۴ اور ۶ مرکّبِ تام کے جملے ہیں۔ اس کے برعکس جملہ ۲، ۳ اور ۵ میں بات پوری نہیں ہو رہی اور مطلب بھی پورے طور پر واضح نہیں ہو رہا۔ ایسے لفظوں کے مجموعے کو مرکّبِ ناقص کہتے ہیں۔